مرّوجہ نظامِ زمینداری اور اسلام (۸)

ترجیح کے طریقے سے احادیثِ مزارعت کا جائزہ

ازقلم: مولانا محمد طاسین

عن عمرو بن دینار قال قلت لطاؤس لو ترکت المخابرۃ فانھم یزعمون ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا

حضرت عمرو بن دینار نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے طاؤس سے عرض کیا کہ کاش آپ مخابرہ کو چھوڑ دیں کیونکہ متعدد صحابہ کرامؓ وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی نہی فرمائی ہے۔

اس روائت میں "لو ترکت المخابرہ" کے جو الفاظ ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت طاؤس مزارعت پر عمل پیرا تھے، اسی طرح شرح معانی الآثار طحاوی کے اس اثر سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

عن حمّاد انہ قال سألت مجاھدًا و سالمًا عن کراء الارض بالثلث والربع فکرھاہ وسألت عن ذٰلک طاؤسًا فلم یربہ بأسًا، قال فذکرت ذٰلک لمجاھدؒ وکان یشرفہ و یوقرہ فقال انہ یزارع

(ص ۲۶۲ - ج ۲)

حضرت حمادؒ سے روائت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے پوچھا حضرت مجاہدؒ اور حضرت سالمؒ سے تہائی اور چوتھائی پر کراء الارض کے متعلق تو دونوں نے اسے ممنوع و مکروہ کہا، پھر میں نے اس کے متعلق طاؤس سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کچھ حرج نہیں پھر میں نے طاؤس کی یہ بات مجاہد سے بیان کی جو ان کی تکریم و تعظیم کرتے تھے تو انہوں نے کہا کہ طاؤس نے یہ اس

لئے کہا کہ وہ مزارعت کا کاروبار کرتے ہیں۔

اس روائت میں "انہ یزارع" کے الفاظ جو طنزاً کہے گئے ہیں اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت طاؤس مزارعت پر عمل پیرا تھے، پھر اسی قسم کی ایک اور روائت کتاب الآثار امام محمد میں بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن محمد قال اخبرنا ابوحنیفۃ	امام محمدؒ شیبانی سے روائت ہے کہ انہیں
عن حماد انہ سأل طاؤسا	امام ابوحنیفہؒ نے بتلایا کہ حضرت حمادؒ نے
عن المزارعۃ بالثلث او الربع فقال	حضرت طاؤس سے تہائی یا چوتھائی پر
لا بأس بہ فذکرت ذٰلک	مزارعت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے
لابراھیم فکرھہ وقال	جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں، پھر حماد
ان طاؤسا لہ ارض یزارعہ	نے حضرت ابراہیم النخعی سے اس کا ذکر
فمن اجل ذٰلک قال۔	کیا تو انہوں نے اس پر کراہیت و ناگواری
(باب المزارعۃ کتاب الآثار)	کا اظہار کیا اور فرمایا کہ طاؤس کی زمین

ہے جو اس نے مزارعت پر دے رکھی ہے اس لئے اس نے کہا کہ اس میں کچھ حرج نہیں)

مذکورہ تین روائتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت طاؤس عملاً مزارعت کو اختیار کئے ہوئے تھے اور اس وقت کے بعض ممتاز علماء جیسے عمرو بن دینار مجاہد، ابراہیم النخعی اور حماد کو ان کا یہ عمل کھٹکتا اور بُرا لگتا تھا اور بعض نے ان سے کہا بھی کہ کاش وہ اسے چھوڑ دیں، لیکن انہوں نے نہیں چھوڑا اور عمرو بن دینار سے کہا:

ای عمرو انی اعطیھم واُعینھم	اے عمرو! میں اپنے مزارعوں
وان اعلمھم اخبرنی یعنی ابن	کو ان کے حق سے زیادہ دیتا اور
عباس رضی اللہ عنھما ان النبی	ان کی مدد کرتا ہوں اور یہ کہ جو صحابہ
صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ	میں زیادہ علم والا ہے یعنی ابن عباس
عنھا ولکن قال ان یمنح احدکم	اس نے مجھے بتلایا کہ نبی صلعم نے مخابرہ
اخاہ خیر لہ من ان یأخذ	سے روکا نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں
علیہ خرجا معلومًا	سے ایک اپنی زمین اپنے بھائی کو
(ص ۳۱۳۔ ج ۱ صحیح البخاری)	

مفت کاشت کے لئے دے دے

تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس سے خاص مقدار میں غلہ وصول کرے۔

اس حدیث کے شروع میں ہے کہ حضرت عمرو بن دینار نے حضرت طاؤس سے عرض کیا کہ اگر آپ مخابرت کو چھوڑ دیتے تو کیا اچھا ہوتا کیونکہ متعدد صحابہؓ زعم واعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (یزعمون کے معنی مجمع البحار وغیرہ لغات حدیث میں یظنون ویعتقدون لکھے ہیں)، تو اس کے جواب میں حضرت طاؤس نے فرمایا: اے عمرو! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں دوسرے لوگوں کے بالمقابل اپنے کاشت کاروں کے ساتھ فیاضی کا سلوک کرتا ہوں اور دوسری بات یہ کہ جن صحابہ کا آپ حوالہ دے رہے ہیں ان سے بڑے عالم حضرت ابن عباسؓ نے مجھے بتلایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے روکا نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ ایک مسلمان کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنی زمین اپنے مسلمان بھائی کو بطور منحہ یونہی دے دے اور اس سے کچھ نہ لے۔

غور سے دیکھا جائے تو حضرت طاؤس کے اس جواب میں کئی کمزوریاں ہیں۔ مثلاً اپنی مزارعت کے جواز کے لئے یہ کہنا کہ میں اپنے مزارعین کو ان کے مقررہ حق سے زیادہ دیتا اور ان کی مدد کرتا ہوں، اس وجہ سے کمزور ہے کہ جو معاملہ بنیادی طور پر ناجائز ہو وہ ایک فریق کے فیاضانہ برتاؤ سے جائز نہیں ہو سکتا مثلاً سود و ربو کا معاملہ سود خوار کے اپنے مقروض کے ساتھ حسن سلوک سے کبھی حلال و جائز نہیں ہو سکتا، اور پھر ان کا یہ کہنا کہ جو صحابہؓ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت کی نہی و ممانعت فرمائی ہے ان کے مقابلہ میں ابن عباسؓ کو اس معاملے کا بہتر اور زیادہ علم تھا، اس وجہ سے کمزور ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے ثبوت میں کوئی وزنی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلائل و قرائن مہیا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے ابن عباسؓ کا معاملہ مزارعت سے براہ راست تعلق نہ تھا جبکہ ان کے مقابلہ میں دوسرے

صحابہؓ کا زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے براہ راست تعلق تھا۔ اور اس معاملہ کے جواز و عدم جواز کے ساتھ ان کا فائدہ و نقصان وابستہ تھا کیونکہ ان میں سے بیشتر قبیلۂ انصار میں سے تھے جن کا ذریعہ معاش زراعت اور کھیتی باڑی تھا، دوسری دلیل یہ کہ ابن عباسؓ عمر کے لحاظ سے بہت چھوٹے اور ان کے مقابلہ میں حضرت ظہیرؓ، حضرت اسیدؓ، حضرت جابرؓ، حضرت رافعؓ بن خدیجؓ، حضرت ابو ہریرۃؓ، حضرت ثابت بن ضحاک، حضرت زید بن ثابت وغیرہ بڑی عمر کے اور زیادہ واقف کار تھے۔ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے وقت ابن عباسؓ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی اور ظاہر ہے کہ اگر انہوں نے مزارعت کے بارے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی حدیث سنی ہوگی تو وہ تیرہ سال کی عمر سے بھی پہلے سنی ہوگی جو عام طور پر بلوغت کی عمر بھی نہیں ہوتی اور اگر حضرت طاؤس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ فہم و تفقہ میں ان دوسرے صحابہ پر فوقیت و برتری رکھتے تھے۔ لہٰذا اس معاملے میں جو مطلب انہوں نے سمجھا وہ صحیح اور دوسرے صحابہ کا سمجھا ہوا مطلب غلط ہے۔ تو اس مطلب کے لحاظ سے بھی ان کی بات نہایت کمزور ہے کیونکہ اس سے ایک تو ان صحابہ کرام کے علم و فہم کی تغلیط اور تنقیص ہوتی ہے جو نہی مزارعت والی احادیث کے راوی ہیں اور نہایت سمجھدار اور فقیہ صحابہ تھے اور جن سے مروی ہزاروں احادیث کو صحیح اور قابل اعتماد تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ اسے دین کی گہری سمجھ اور تفقہ عطا فرما، لہٰذا اللہ نے انہیں تفقہ عطا فرمائی لیکن اس سے دوسرے صحابہ کرامؓ کے تفقہ فی الدین کی نہ نفی ہوتی ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس تفقہ فی الدین میں دوسرے تمام صحابہ کرام سے بڑھے ہوئے تھے نہ عہد صحابہ میں کسی نے یہ بات کہی اور نہ عہد تابعین و عہد تبع تابعین میں اور نہ بعد کے کسی عہد میں، اگر ایسا ہوتا تو ہر اختلافی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت بے چوں وچرا حضرت ابن عباس کی بات کو ترجیح دیتے لیکن بطور ایک اصول کے کبھی ایسا نہیں ہوا، حضرت ابن عباس علی الاطلاق اعلم الصحابہ اور افقہ الصحابہ نہ تھے اس کا اظہار ان روایات سے بھی ہوتا ہے

جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضاء میں، حضرت معاذ بن جبل کو حلال و حرام کے علم و فہم میں اور حضرت زید بن ثابت کو ترکہ و میراث کے مسائل میں ممتاز و برتر تسلیم کیا گیا ہے۔

ممکن ہے حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس کو اَعْلَمُ وَاُفْقَہ اس لئے فرمایا ہو کہ اس کے بغیر حضرت عمرو بن دینار کی اس دلیل کی نفی اور تردید نہ ہو سکتی تھی کہ "انھم یزعمون ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنہا" جو جمع کے صیغے ہیں اس پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی ایک دو نہی مزارعت کے قائل نہ تھے بلکہ ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جماعت کے مقابلے میں ایک فرد کی بات کمزور ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس رض کی منفرد بات میں وزن ڈالنے کے لئے ان کے اعلم ہونے کا دعویٰ فرمایا اور یہ نہ سوچا کہ اس سے دوسرے صحابہ کے علم و فہم کی تنقیص و تغلیط ہوتی ہے۔

اور پھر بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت طاؤس جس چیز کو حضرت ابن عباس اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے خیر اور بہتر کہتے ہیں خود عملاً اس خیر و بہتر کو اختیار نہیں کرتے، یعنی دوسروں کو تو یہ ترغیب و تعلیم دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہتر اور پسندیدہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جب اپنی زمین دوسرے کو کاشت کے لئے دے تو منحہ کے طور پر بلا معاوضہ دے لیکن خود ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے برخلاف پیداوار کے ایک حصہ کے بدلے مزارعت پر دیتے ہیں، غرضیکہ مزارعت کے متعلق حضرت طاؤس کا موقف خاصا مشتبہ اور کمزور ہے جو ان کی روایت کو تقریباً ناقابل اعتبار بنا دیتا ہے۔

جمع و تطبیق کے طریقہ سے احادیثِ مزارعت کا جائزہ

نسخ اور ترجیح کے طریقوں سے احادیث مزارعت کا جائزہ سامنے آگیا، اب میں جمع و تطبیق کے طریقہ سے ان کا جائزہ پیش کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے اس طریقہ سے متعلق چند اصولی باتیں عرض کر دینا ضروری ہے کیونکہ اس

کے بغیر جمع و تطبیق کی صحیح اور غلط شکلوں کے مابین امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔

پہلی اصولی بات یہ کہ چونکہ اس طریقہ کا نمبر ترجیح کے طریقہ کے بعد آتا ہے یعنی جب دو متعارض حدیثوں کے درمیان ترجیح کے طریقہ سے یہ فیصلہ نہ ہوسکتا ہو کہ وجوہ ترجیح کے لحاظ سے راجح کون سی حدیث ہے اور مرجوح کونسی بلکہ دونوں مساوی اور ایک درجہ کی معلوم ہوتی ہوں تو پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے مابین جمع و تطبیق کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ اگر ہوسکتی ہو تو اس سے کام لیا جاتا ہے تاکہ دونوں پر عمل ہوسکے، چونکہ جمع و تطبیق کا طریقہ ایسی متعارض احادیث میں جاری ہوتا ہے جن کو مساوی الدرجہ تسلیم کرلیا گیا ہو لہٰذا ان کے مابین جمع و تطبیق کی وہی صورت صحیح ہوتی ہے جس میں ان احادیث کی مساویانہ حیثیت قائم و برقرار رہتی ہو، چنانچہ جس صورت میں ان کی مساویانہ حیثیت ختم ہوجاتی اور بغیر کسی مرجح کے ایک کو دوسری پر ترجیح و فوقیت حاصل ہوجاتی ہو تو جمع و تطبیق کی ایسی ہر صورت غلط ٹھہرتی ہے۔

دوسری اصولی بات یہ کہ جس تاویل کے ذریعے دو متعارض احادیث کے مابین تطبیق دی جائے احادیث کے الفاظ میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہونی چاہیئے، اگر اس کی گنجائش نہ ہو اور اپنے پاس سے گھڑ کر اس کی بناء پر تطبیق دیجائے تو وہ تطبیق صحیح و قابل قبول نہیں ہوتی کیونکہ جس احتمال کا منشأ ہی موجود نہ ہو وہ غلط اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔

تیسری اصولی بات یہ کہ دو متعارض احادیث کے درمیان توفیق و تطبیق کے لئے ایک خارجی دلیل کا وجود ضروری ہوتا ہے جس کی بنیاد پر ایک حدیث میں تاویل و ردّ و بدل کر کے اسے دوسری کے مطابق و موافق بنایا جاتا ہے مطلب یہ کہ اگر بغیر کسی مسلمہ خارجی دلیل کے ایک حدیث میں تاویل کر کے دوسری کے مطابق بنایا جائے تو نہ ایسی تاویل صحیح ہوتی ہے اور نہ ایسی تطبیق، کیونکہ اس صورت میں ان کی مساویانہ حیثیت برقرار نہیں رہتی اور بلا کسی مرجح کے ایک کو دوسری پر ترجیح ہوجاتی ہے جو غلط ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے جمع و تطبیق کی ان دو شکلوں کا ذکر ضروری ہے جو مزارعت

کو جائز سمجھنے اور کہنے والے علماء حضرات نے احادیث مزارعت سے متعلق تجویز کی ہیں اور شروح حدیث اور فقہ کی مبسوط کتابوں میں مذکور ہیں ۔ ان میں سے پہلی شکل یہ کہ جو احادیث مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جیسے حدیث معاملہ خیبر سے متعلق، ان میں مزارعت سے مراد مطلق مزارعت ہے اور جو عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں جیسے حضرت جابرؓ، حضرت ظہیرؓ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت ثابت ابن الضحاک وغیرہ کی احادیث، ان میں مزارعت سے مراد نفس مزارعت نہیں بلکہ مزارعت کی وہ شکلیں ہیں جو مالک اور مزارع کے درمیان عموماً نزاع و فساد کا باعث بنتی ہیں، لہٰذا جمع و تطبیق کی اس پہلی شکل کا حاصل یہ ہوا کہ مزارعت بنیادی طور پر ایک حلال و جائز معاملہ ہے البتہ اس کی بعض شکلیں خارجی مفاسد کی وجہ سے فاسد اور ناجائز ہیں۔ جمع و تطبیق کی دوسری شکل یہ کہ جن احادیث سے مزارعت کا جواز مفہوم ہوتا ہے ان کا مطلب یہ کہ مزارعت حرام نہیں اور جن سے عدم جواز ظاہر ہوتا ہے ان کا مطلب یہ کہ مزارعت مکروہ اور غیر اولیٰ معاملہ ہے بالفاظ دیگر جن احادیث سے مزارعت کا عدم جواز عیاں ہوتا ہے ان کا مطلب یہ کہ مزارعت اخلاقاً ناجائز ہے اور جن سے جواز مفہوم ہوتا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث مذکور، تو اس کا مطلب یہ کہ مزارعت قانوناً جائز ہے، اس دوسری تطبیق کا حاصل یہ کہ مزارعت حرام نہیں بلکہ مباح اور کراہیت کے ساتھ جائز ہے

لیکن غور سے دیکھا جائے تو مذکورہ اصولی باتوں کی روشنی میں جمع و تطبیق کی یہ دونوں شکلیں نادرست نظر آتی ہیں کیونکہ پہلی شکل میں حدیث خیبر کو بغیر کسی تاویل اور ردّ و بدل کے اپنی حالت پر برقرار رکھا گیا جبکہ اس کے بالمقابل احادیث میں تاویل کرکے ان کے مفہوم و مطلب کو بدل دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے ان متعارض احادیث کی مساویانہ حیثیت ختم ہوگئی جو تطبیق سے قبل تسلیم کی گئی تھی اور ایک کو بغیر کسی مرجح کے دوسری پر ترجیح دے دی گئی، اس کی کچھ تفصیل یہ کہ جب اس تطبیق میں حدیث خیبر کا یہ مطلب لیا گیا کہ مزارعت جائز ہے تو اسے اپنے حال پر برقرار رکھا گیا اور بالمقابل احادیث کا یہ مطلب لیا گیا کہ نفس مزارعت ناجائز نہیں بلکہ اس کی بعض مخصوص شکلیں ناجائز ہیں تو اس سے ان احادیث کی مساویانہ حیثیت

قائم نہ رہی بلکہ تبدیل ہوگئی اور پھر یہ تطبیق کسی خارجی دلیل کی وجہ سے عمل میں نہیں آئی یعنی ایسا نہیں ہوا کہ حدیثِ خیبر کے علاوہ کسی اور قوی دلیل سے یعنی قرآن مجید کی کسی جزوی یا کلّی نص سے مزارعت کا جواز ثابت ہوا ہو اور اس کی وجہ سے حدیثِ خیبر کو اپنے مفہوم و مطلب پر بحال رکھا گیا اور دوسری احادیث کے مفہوم و مطلب کو بدل دیا گیا ہو حالانکہ صحت تطبیق کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے، اسی طرح اس تطبیق میں تیسری خرابی یہ کہ اس میں حدیث خیبر کے بالمقابل عدم جواز مزارعت والی احادیث میں جو تاویل کی گئی ہے اس تاویل کی ان احادیث کے الفاظ میں کوئی گنجائش نہیں یعنی ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مبارک الفاظ ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مطلق مزارعت اور مزارعت کی ہر شکل ممنوع اور ناجائز ہے جیسا کہ اس تفصیل و توضیح سے آشکارا و عیاں ہے جو میں پیچھے ہر صحابی کی احادیث ذکر کرنے کے بعد پیش کر چکا ہوں، یہاں میں ان احادیث کے صرف وہ الفاظ نقل کرنا چاہتا ہوں جو مطلق مزارعت اور اس کی ہر شکل کی ممانعت پر واضح الدلالۃ ہیں؛ مثلاً

(۱) ولا یکریہا بالثلث ولا بالربع ولا بطعام مسمّی — اور نہ زمین کو پیداوار کے تہائی اور چوتھائی کے بدلے دے اور نہ غلے کی مقررہ مقدار کے بدلے۔

(۲) فان لم یفعل فلیدعہا ولا یکریہا بشیئ — اگر ایسا نہیں کرتا یعنی نہ خود کاشت کرتا اور نہ دوسرے کو منحہ کے طور پر بلا معاوضہ دیتا ہے تو پھر اس زمین کو بغیر کاشت چھوڑ دے کسی شے کے بدلے کرائے پر نہ دے۔

(۳) وامر رب الارض ان یزرعہا او یزرعہا وکرہ کراءہا وما سوی ذٰلک — اور رسول اللہ صلعم نے مالک زمین کو حکم دیا کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے دے دے اور مکروہ و ناجائز ٹھہرایا اس کے کرائے کو پیداوار کے ایک حصہ کی شکل میں ہو یا اس کے سوا کسی اور شکل میں۔

(۴) فلا تفعلوا ازرعوھا او آزرعوھا — پس ایسا نہ کرو، خود اپنی زمین کو کاشت

او امسکوھا

کر دیا دوسرے کو کاشت کے لئے دے دو یا بغیر کاشت روک رکھو۔

(۵) انما یزرع ثلاثة : رجل له ارض فهو یزرعها و رجل منح ارضا فهو یزرع ما منح، و رجل استکری ارضا بذهب او فضة۔

صرف تین شخص زمین کو کاشت کر سکتے ہیں، ایک وہ جس کی اپنی زمین ہو، دوسرا وہ جسے منحہ کے طور پر زمین دی گئی ہو، اور تیسرا وہ شخص جس نے سونے چاندی کے عوض کرائے پر لی ہو۔

(۶) نهانا ان یزرع احدنا الا ارضا یملك رقبتها او منیحة یمنحها رجل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اس سے کہ ہم میں سے کوئی کاشت کرے سوائے اس کے جو خود زمین کا مالک ہو یا وہ جسے دوسرے شخص نے زمین منحہ کے طور پر دی ہو۔

(۷) نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تستأجر الارض بالدراهم المنقودة او بالثلث و الربع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ زمین نقد دراہم کے عوض یا تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض اجارے پر لی جائے۔

(۸) نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان توخذ الارض اجرًا او حظًا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ زمین کاشت کے لئے لی جائے نقد کے بدلے یا پیداوار کے ایک حصہ کے بدلے۔

(۹) نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المخابرة قلت ما المخابرة قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے روکا۔ میں نے پوچھا مخابرہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا، زمین کو پیداوار کے نصف یا تہائی یا چوتھائی پر لینا مخابرہ ہے۔

(۱۰) من لم یذر المخابرة فلیؤذن بحرب من الله و رسوله

جو مخابرہ کو نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے

اعلان جنگ ہے۔

نہی مزارعت والی احادیث کے یہ جو چند الفاظ نقل کئے گئے ہیں ان سے

صاف واضح ہوتا ہے کہ نہی کا تعلق مطلق مزارعت سے ہے۔ مزارعت کی چند مخصوص شکلوں سے نہیں جن کا بعض احادیث میں ذکر ہے کیونکہ نصوص میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا تطبیق مذکور میں عدم جواز مزارعت والی احادیث میں جو تاویل کی گئی ہے وہ غلط و باطل ہے۔ جب یہ تاویل باطل ہے تو اس پر مبنی تطبیق کیسے درست ہو سکتی ہے۔ بہرحال اگرچہ اس تاویل کی ان احادیث کے اصل الفاظ میں کوئی گنجائش نہیں جن کے شروع میں کراء الارض کی چند مجہول شکلوں کا ذکر ہے لیکن پھر بھی اسے قبول کیا جا سکتا ہے اگر حدیث خیبر کے علاوہ قرآن مجید سے مزارعت و کراء الارض کا جواز فراہم ہوا ہوتا لیکن نہ صرف یہ کہ مزارعت کے جواز کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی دلیل نہیں بلکہ اُلٹی عدم جواز کے بارے میں موجود ہے جیسا کہ پہلے قرآن اور مزارعت کی بحث میں تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا۔

جمع و تطبیق کی دوسری شکل میں بھی وہ تمام خامیاں و خرابیاں موجود ہیں جو پہلی شکل میں دکھائی گئیں بلکہ دیکھا جائے تو سرے سے یہ شکل درست ہی نہیں بیٹھتی کیونکہ تطبیق ایسی متعارض احادیث میں دی جاتی ہے جو قوت و ضعف کے لحاظ سے برابر اور مساوی الدرجہ ہوں حالانکہ حدیث ابن عباس رضؓ جس کے تنہا، ایک راوی حضرت طاؤس ہیں اور جس پر کچھ پہلے کافی بحث ہو چکی دوسری احادیث کے مقابلہ میں کم درجہ کی ہے جن کے راوی متعدد صحابہ کرام رضؓ اور کثیر التعداد تابعینؒ ہیں، لیکن اگر کچھ دیر کے لئے فرض اور تسلیم کر لیا جائے کہ یہ استنادی حیثیت سے دوسری احادیث کے برابر ہے اور ان کے مابین بجا طور پر تعارض ہے تو پھر جمع و تطبیق کی مذکورہ شکل کئی وجوہ سے درست نہیں:

پہلی وجہ یہ کہ اس میں حدیث ابن عباس رضؓ کو بغیر تاویل کے اپنے حال پر قائم رکھا گیا اور بالمقابل احادیث میں تاویل کر کے ان کے مفہوم و مطلب کو بدل دیا گیا ہے جس سے ان کی مساویانہ حیثیت قائم نہ رہی جو تطبیق سے قبل تسلیم کی گئی تھی یعنی اس میں یہ نہیں ہوا کہ دونوں متعارض احادیث میں تاویل کر کے دونوں کو ایک دوسرے کے مطابق بنایا گیا ہو بلکہ یکطرفہ تاویل کر کے ایک کو دوسری کے مطابق بنایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ مساوات ختم ہو گئی جس کا ان کے درمیان قائم رہنا ضروری تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ اس میں یہ جو طے کیا گیا ہے کہ مزارعت قانوناً حرام و ممنوع

نہیں بلکہ اخلاقاً ممنوع ہے۔ یہ بات حدیث ابن عباسؓ کے سوا کسی دوسری اعلیٰ دلیل سے ثابت نہیں کی گئی یعنی قرآن حکیم کی کسی نص سے ثابت نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث ابن عباسؓ کو بلا کسی خارجی مرجح کے بالمقابل احادیث پر ترجیح دے دی گئی حالانکہ تطبیق سے پہلے یہ تسلیم کیا گیا کہ ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، تیسری وجہ یہ کہ حدیث ابن عباسؓ کے بالمقابل احادیث میں جو تاویل کی گئی یعنی یہ کہ ان میں مزارعت کی جو نہی ہے وہ تحریم کے لئے نہیں کراہیت تنزیہی کے لئے ہے اس میں تاویل کی ان احادیث کے الفاظ میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ بعض کے اندر مزارعت کو ربٰو سے تعبیر کیا گیا اور بعض میں مزارعت کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے بعینہٖ وہی دھمکی اور وعید ہے جو ربٰو کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے قرآن مجید میں ہے اور ربٰو چونکہ بالاتفاق حرام اور قطعاً ممنوع ہے۔ لہٰذا جس معاملے کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربٰو فرمایا ہو اس کے حرام ہونے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے اور جس معاملے کے نہ چھوڑنے والوں کے لئے یہ فرمایا گیا ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسرِ پیکار اور مصروفِ جنگ ہیں وہ مکروہ تنزیہی کیسے ہو سکتا ہے وہ تو قطعاً حرام ہی ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں ان احادیث میں سے بعض کے اندر مالک زمین کے لئے جو ہدایت نبوی ہے اس کا اسلوب واضح اور قطعی طور پر قانونی ہے اخلاقی وعظ اور ترغیب کا نہیں لہٰذا ان احادیث کے الفاظ اس تاویل کا انکار کرتے ہیں کہ ان میں مزارعت کی جو ممانعت ہے وہ قانونی نوعیت کی نہیں اخلاقی نوعیت کی ہے، ان الفاظ سے میری مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں: مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا (الحديث) ترجمہ جس کی زمین ہو اسے وہ خود کاشت کرے اور خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے، اگر ایسا بھی نہ کر سکتا ہو تو اسے یونہی چھوڑ دے یا بلا کاشت روک رکھے آخری الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ وہ کسی صورت بھی مزارعت پر اس کو نہ دے' اور بعض احادیث میں یہ تفصیل بھی موجود ہے۔ غرضیکہ متعارض احادیث کے درمیان جمع وتطبیق کی صحت کے لئے جو شرائط ہیں وہ اس دوسری شکل میں بھی نہیں پائی جاتیں لہٰذا پہلی شکل کی طرح یہ دوسری شکل بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر احادیث مزارعت میں تطبیق کی مذکورہ دونوں شکلیں اصولی طور پر درست نہیں تو پھر کیا ان کے درمیان جمع وتطبیق کی کوئی صحیح شکل بھی ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ کہ تطبیق کی کوئی صحیح شکل نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ معاملۂ خیبر کو

مزارعت کا معاملہ فرض و تسلیم کیا جائے جو حقیقت میں مزارعت کا معاملہ نہیں، اور پھر یہ کہا جائے کہ حدیثِ خیبر سے جس مزارعت کا جواز نکلتا ہے اس کا تعلق اسلامی حکومت اور غیر مسلم ذمیوں سے ہے یعنی اسلامی حکومت اور غیر مسلم ذمیوں کے مابین معاملہ مزارعت جائز ہے، اور اس کے بالمقابل نہی مزارعت والی احادیث سے جس مزارعت کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق مسلمان مالکِ زمین اور مسلمان کاشت کار سے ہے۔ یعنی مسلمانوں کے درمیان معاملہ مزارعت ناجائز ہے، اور اس تاویل کی گنجائش خود ان احادیث کے الفاظ میں موجود ہے۔ جہاں تک حدیث خیبر کا تعلق ہے اس میں اس کی پوری وضاحت ہے کہ یہ معاملہ خود یہودِ خیبر کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے ساتھ طے فرمایا کہ جب ہم چاہیں گے یک طرفہ طور پر ختم کر دیں گے، مثلاً السنن الکبریٰ بیہقی کی ایک روائت کے الفاظ ہیں:

واراد ان یجلیھم منھا فقالوا یا محمد دعنا نکون فی ھذہ الارض نصلحھا ونقوم علیھا ولم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا لاصحابہ غلمان یقومون علیھا وکانوا لا یفرغون ان یقوموا علیھا فاعطاھم خیبر ان لھم الشطر (ص ۱۲۷ ج)	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر سے جلاوطن کرنا چاہا تو انہوں نے عرض کیا "اے محمد ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم یہیں اس زمین میں رہیں، اسے ٹھیک ودرست رکھیں اور اس کی دیکھ بھال کے فرائض انجام دیں" اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو باغبانی وکاشت کاری کے کام انجام دیتے۔ اور خود صحابہؓ دوسری مصروفیات کی وجہ سے اس کام کے لئے فارغ بھی نہ تھے۔

لہٰذا آپؐ نے یہود کو خیبر کی اراضی دے دیں کہ نصف پیداوار ان کیلئے ہوگی۔

صحیح البخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

نقرکم بھا علیٰ ذلک ما شئنا	ہم تمہیں اس معاہدے پر ٹھہرنے دیں گے جب تک ہم چاہیں گے۔

امام بیہقی کی روائت مذکورہ سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاملہ غیر مسلموں

سے ان کی درخواست پر ہوا اور ہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ خیبر کی درخواست اس لئے منظور فرمائی کہ اس وقت ان باغوں اور کھیتوں کو آباد رکھنے کا مسلمانوں کے پاس کوئی متبادل انتظام نہ تھا خود جہاد وغیرہ کے کاموں میں مشغول تھے اور اس وقت ان کے پاس غلام بھی نہ تھے جن سے یہ کام لیا جاتا، اسی طرح بعض روایات کے الفاظ سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو غذا کے لئے غلے وغیرہ کی ضرورت بھی تھی جیسا کہ کتاب الاموال میں امام ابوعبید قاسم ابن سلام کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر
وسلم کان اعطی خیبر الیہود	معاملہ پر دیا مسلمانوں کی حاجت کی وجہ سے
معاملۃ لحاجۃ المسلمین	جو اس وقت انہیں یہود کی طرف تھی،
کانت الیھم، فلما استغنی	چنانچہ آگے چل کر جب انہیں استغناء ہو گیا تو
عنھم اجلاھم عمرؓ (ص۹۷)	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلاوطن کردیا۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ خیبر سے جو معاملہ فرمایا وہ اس وقت کے خاص حالات کے تحت اور بادل نخواستہ تھا ہمیشہ قائم رکھنے کے لئے نہیں بلکہ حالات کے بدل جانے پر ختم کر دینے کے ارادہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں ختم کر دیا۔ اس سے یقیناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ اگر مسلمانوں کی حاجت و ضرورت اور اجتماعی مصلحت و بہتری کے لئے ضروری سمجھے تو غیر مسلموں سے مزارعت وغیرہ کا معاملہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح چونکہ نہی مزارعت والی احادیث میں " اخاہ المسلم" کے جو الفاظ ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ دو مسلمانوں کے درمیان معاملہ مزارعت جائز نہیں لہٰذا یہ تاویل بالکل صحیح و درست ہے۔

مختصر یہ کہ جب حدیث خیبر کا مطلب یہ ہو کہ اس میں جس مزارعت کا اثبات اور جواز ہے وہ وہ مزارعت ہے جو عام مسلمانوں کے فائدہ کی خاطر اسلامی حکومت اور غیر مسلم ذمیوں کے درمیان طے پائے، اور حضرت جابرؓ وغیرہ کی احادیث کا مطلب یہ ہو کہ ان میں جس مزارعت کے جواز کی نفی ہے وہ وہ مزارعت ہے جو ایک مسلمان مالک زمین اور مسلمان کاشت کار کے درمیان طے پائے تو ظاہر ہے کہ ان دو قسم کی احادیث

کے درمیان تعارض نہیں رہتا اور ہر ایک اپنی جگہ قابل عمل بن جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں ان کے اندر نفی اور اثبات کا تعلق مزارعت کی دو مختلف شکلوں سے ہوتا ہے۔

اس مقالے میں میرا مقصد چونکہ اس مزارعت کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا ہے جو دو مسلمانوں کے مابین طے پاتی ہے۔ لہٰذا اس مزارعت کا ثبوت نہ حدیث خیبر سے فراہم ہوتا ہے اور نہ کسی دوسری صحیح اور راجح حدیث سے، بلکہ اس کے برعکس کثیر التعداد مرفوع احادیث سے واضح طور پر اور قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیر بحث مزارعت جائز نہیں۔

"مزارعت اور مرفوع احادیث" کے عنوان سے جو طویل بحث کی گئی ہے یہاں ختم کیا جاتا اور مذکورہ ترتیب کے مطابق اب تیسری بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "مزارعت اور آثارِ صحابہؓ و تابعین"۔

(جاری ہے)

عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے بہترین وہ ہے جو (خود) قرآن سیکھے اور (دوسروں) کو سکھلائے۔